

نمائندہ روزنامہ جنگ کا

پرویز صاحب سے انٹرویو

۱۶ دسمبر ۱۹۸۱ء کی شام روزنامہ جنگ (لاہور) کے نمائندہ، محترم نذیر ناجی صاحب، اپنے دور فقہاء کے ہمراہ، پرویز صاحب کا انٹرویو لینے کے لئے، ان کی اقامت گاہ (۲۵-بی/گلبرگ ۷) پر تشریف لائے۔ انٹرویو قریب دو گھنٹے تک جاری رہا۔ بعد ازاں اس کی روئداد، روزنامہ موصوف، کی خصوصی اشاعت بابت ۸ تا ۱۴ جنوری ۱۹۸۲ء میں شائع ہوئی۔ اسے (بعض لفظی تسامح کی تصحیح کے بعد) اس بنا پر طلوع اسلام میں شائع کیا جاتا ہے کہ

(۱) اخبارات میں شائع شدہ مقالات کی عمر بہت مختصر ہوتی ہے، اور اس انٹرویو کی جامعیت کا تقاضا ہے کہ اسے محفوظ کر لیا جائے تاکہ، نہ صرف طلوع اسلام کے حاملین قارئین، بلکہ آنے والے ادبائے فکر و تدبیر بھی اس سے مستفید ہو سکیں۔ اور

(۲) اس سے یہ بھی اندازہ ہو سکے گا کہ آج کل ادبائے دانش کے دل میں کس کس قسم کے سوالات ابھرتے ہیں اور وہ ان کا حل دریافت کرنے کے لئے کس قدر متجسس ہیں۔

(۱)

انٹرویو :-

جناب غلام احمد پرویز قائدِ عظیم کے رفقاء میں سے ہیں۔ ایک جید عالمِ دین اور قرآنی مجید کے جانے پہچانے سکالر، برصغیر میں ان کی فکر سے مستفیض ہونے والوں کی تعداد لاکھوں سے متجاوز ہے، ان کے فلسفہ و فکر کا اخذ بنیادی طور پر قرآنِ کریم ہے۔ ذیل نظر گفتگو کو ان کے اسی طرزِ فکر کی روشنی میں پڑھنا چاہیے۔ اس مرتبہ میرے ساتھ لاہور ہائی کورٹ کے ایڈووکیٹ جناب فادق بیدار اور تجربہ کار صحافی جناب الطاف احمد قریشی تھے۔ گفتگو کا آغاز جناب غلام احمد پرویز کے ساتھ کیا۔

پرویز :- میں عموماً انٹرویو دینے سے احتراز کرتا ہوں۔ بس یوں سمجھئے کہ یہ اجاب کی ایک محفل ہے، جس میں کھل کر

بے تکلفانہ گفتگو کریں گے، اخباری اصطلاح آپ اسے اٹرو لیکہ لیجئے یا جو جی میں آئے میرے دل تو ایسا ہی ہوتا ہے۔

مناجی: سب سے پہلے تو میں اظہارِ ممنونیت کرنا چاہتا ہوں کہ آپ نے اپنا قیمتی وقت نکال کر ہم لوگوں کو شرفِ باریابی دیا، اپنے ساتھی احباب کا میں تعارف کراہی چکا ہوں، ہم ایک ترتیب سے یا باری باری کہہ لیں، چند سوالات کریں گے، تو پہلا سوال یہ ہے کہ آپ کے ذہن میں ایک جدید اسلامی ریاست کا کیا خاکہ اُبھرتا ہے؟

جدید اسلامی ریاست

پروڈیز: اسلامی ریاست جدید ہوتی ہے نہ قدیم۔ اسلامی ریاست قرآنِ کریم کے اصول و اقدار و احکام کو نافذ کرنے کا ذریعہ ہوتی ہے، یہ اصول و اقدار قدیم و جدید میں تقسیم نہیں کئے جاسکتے، وہ غیر متبدل ہیں، مکمل ہیں۔ قرآنِ کریم نے بجز چند احکام..... اصول و اقدار کی حدود متعین کر دی ہیں، اس لئے یہ کہا ہے کہ اسلامی مملکت وہ ہے جو قرآن کے مطابق قائم ہو اور اس کا فریقہ یہ ہے کہ قرآنِ مجید کے..... اصول و اقدار کی حدود کے اندر رہتے ہوئے، اپنے زمانے کے تقاضوں کے مطابق قوانین نافذ کرنے کے طریقے اُمت کے مشورے سے خود وضع کرے۔ تو گویا اصول و اقدار غیر متبدل چلے آ رہے ہیں، اس اعتبار سے انہیں جدید نہیں کہا جاسکتا۔ لیکن ہم اپنے زمانے میں یعنی اسلامی مملکت میں اپنے دور کے تقاضوں کو سامنے رکھ کر، ان اصول کی حدود میں رہتے ہوئے، اُمت کے مشورے سے جو قوانین وضع کر کے نافذ کریں گے وہ جدید ہوں گے۔ انہیں بائبل لاز کہہ لیجئے، احکام کہہ لیجئے۔ اس مملکت کا طریق کار کہہ لیجئے۔ یہ تو ہوگا جدید اور وہ ہوگا قدیم۔

اسلامی ریاست کی ہیئت کذائی

مناجی: جب میں نے جدید ریاست کی اصطلاح استعمال کی تھی تو مقصود یہ تھا کہ اسے دیگر ادارے سے متمیز کر سکوں۔ مثلاً ایک قدیم قبائلی ریاست تھی، بادشاہی ریاست تھی، اس کے اپنے انتظامی ڈھانچے تھے، جدید ریاست میں بنیادی حیثیت اداروں کو حاصل ہے، عہدِ جدید کو ایک طرح سے آپ انسٹیٹیوشنلائزیشن کا عہد قرار دے سکتے ہیں، مثلاً عدلیہ کا ادارہ، مجسٹ کے ادارے جیسے بینک اور انشورنس کمپنیاں تجارت کے ادارے، عرض یہ کر رہا تھا کہ جدید ریاست جو نہایت منظم اداروں کے مجموعے کا نام ہے، اس میں ہم ان اداروں کی تنظیم اسلامی نقطہ نظر سے کس طرح کریں؟ اس سلسلے میں ایک ملتا جلتا سوال یہ ہے کہ ہم اسلامی ریاست کی ہیئت کی جو بات کر رہے ہیں اس کے تفصیل اجزا کی تلاش تو قرآنِ حکیم میں ہو نہیں سکتی۔ سوال یوں ہے کہ قرآن میں دیئے گئے بنیادی اصولوں کا موجودہ معاشرے پر اطلاق کس طرح کیا جاسکتا ہے؟

پیو ویزا: میں پہلے عرض کر دوں کہ میں قرآنِ حکیم کا غالب علم ہوں، جو جواب دوں گا قرآن کی حدود کے اندر رہ کر دوں گا۔

جو چیز قرآن میں نہیں ہوگی اس کے بارے میں عرض کروں گا کہ قرآن نے اس کی تفصیل نہیں دی۔ تو میں نے پہلے عرض کیا ہے کہ مملکت کا تصور، قرآن کی رو سے ایک ایسا ادارہ ہے جو قرآن کے اصول و اقدار کو اپنے زمانے کے تقاضوں کے مطابق دوبارہ عمل لائے۔ یہ جتنی چیزیں آپ نے فرمائیں ہیں کہ اس دور میں انہیں کیسے انسٹیٹوشنلائز کیا جائے؟ تو یہ اسلامی ریاست کے کرنے کے کام ہیں۔ میرے نہیں، وہ اگر مشورہ طلب کرے تو میں دوں گا، لیکن یہ میرے، ذیادہ بھر کے کرنے کا کام ہے نہیں۔ اسلامی ریاست یا مملکت خود بخود آگئی کہ اس کے اندر اداروں کو کس طرح منظم کرنا ہے۔ یہ بات وہ طے کرے گی، کوئی ایک فرد نہیں۔ یہی چیز میں قرآن کے ایک طالب علم ہونے کی حیثیت سے عرض کروں گا کہ ایک فرد کو یہ طے کرنے کا حق نہیں ہے کہ کیا چیز اسلامی ہے، کیا نہیں ہے؟

الطاف :- بجا فرمایا آپ نے، آپ کا ارشاد ہے کہ یہ اسلامی ریاست یا مملکت کا فریضہ ہے کہ وہ اسلام کے بارے میں سوچے، ہم جب آپ سے بات کرتے ہیں تو اس کا ایک حوالہ بنتا ہے، قرآن کو جاننے والے کی حیثیت سے۔ اس حوالے سے ہم یہ پوچھنا چاہتے ہیں کہ جس اسلامی ریاست کی آپ بات کرتے ہیں، اس میں اداروں کی تشکیل کس طرح ہو سکتی ہے؟ ریاست کا ڈھانچہ، آپ کے ذہن میں کس طرح ابھرتا ہے؟ ناجی :- اس سوال میں ذرا سا اضافہ۔ آپ نے فرمایا کہ سب کام تو مملکت کے کرنے کے ہیں، میں صرف مشورہ دے سکتا ہوں، تو آپ سے پوچھوں گا کہ مملکت کہاں سے آئے گی؟ یا تو یہ تاریخی تسلسل میں چلی آنے والی چیز ہوتی ہے یا اسے قائم کیا جاتا ہے۔ میں پاکستان کی بات کروں گا۔ کیا ہم اس لئے اسے اسلامی کہیں کہ یہ خلافت راشدہ کا تسلسل چلا آرہا ہے۔ امر واقعہ تو یہ ہے کہ ایسا نہیں۔ جب یہ تسلسل نہیں تو پھر کیا مسلمانوں کی موجودہ سلطنتیں موجودہ اسٹیبلشمنٹ، موجودہ انتظامیہ کے ساتھ اسلامی کہلا سکتی ہیں؟ اگر اسلامی نہیں تو پھر اس سے الگ سوال ابھریں گے۔ وہ اسلامی ریاست جس کا ذکر آپ نے کیا ہے جس کے فرائض کی نشاندہی آپ نے کی ہے۔ اس کے قائم کرنے کا طریقہ کیا ہوگا؟

ابدی اصول اور قابل تغیر تفصیلات

پیر قیوم :- اسلامی مملکت کے متعلق بنیادی اصول جو قرآن نے بیان کر دیئے ہیں وہ یہ ہیں (ترجمہ ملاحظہ فرمائیں) "کافر اور مومن یا اسلام اور کفر میں خط امتیاز یہ ہے کہ جو خدا کی کتاب کے مطابق حکومت قائم کرتے ہیں وہ مومن ہوتے ہیں جو ایسا نہیں کرتے وہ کافر ہوتے ہیں"۔ یہ اصولی توازن اسلام نے بیان کر دیا۔ اب ریاست یا حکومت نئے متعلق جتنی بات کی جائے گی وہ یہ ہوگی کہ قرآن اس کے متعلق کیا کہتا ہے۔ یہاں یہ نہیں ہوگا کہ کوئی کیا کہتا ہے (میں پا کوئی اور) یہاں یہ دیکھنا ہوگا کہ خدا کی کتاب کیا کہتی ہے۔ قرآن مملکت کا ڈھانچہ نہیں دیتا، ڈھانچہ متبدل ہوتا ہے، بدلتا رہتا ہے۔ اس نے یہ کہا ہے کہ "میرے اصول اور اقدار مکمل بھی ہیں اور غیر متبدل بھی"۔ لیکن اسلامی ریاست کے ڈھانچے کی جو مختلف شکلیں ہیں، یہ قرآن نے کہیں نہیں دیں (دانشہ نہیں دیں) کیونکہ یہ چیزیں بدلنے والی ہیں۔ اگر قرآن یہ چیزیں

خود دے دیتا (جو بدل سکتی ہیں) تو ہم مصیبت میں پھنس جاتے۔ اس نے کہا ہے اگر جزئیات اور طریق کار کو بھی قرآن میں دے دیا جاتا تو وہ غیر متبدل قرار پا جاتیں اور جب وہ زمانے کے بدلنے والے تقاضوں کا ساتھ نہ دے سکتیں تو ہم یہ کہہ کر دین ہی کو چھوڑ دیتے کہ یہ ناقابل عمل ہے۔ جیسا کہ یہودیوں نے کیا۔ اس لئے ہم صرف اصول و اقدار دے رہے ہیں اور ان کے تابع جتنی جزئیات ہیں وہ تمہیں خود متعین کرنا ہوں گی۔ کیونکہ یہ بدلتی رہتی ہیں۔ ہاں البتہ یہ انہی اصول و اقدار کے مطابق ہونا چاہیے جو غیر متبدل ہیں۔ آپ نے تاریخ کی جو بات کی ہے اس سے متعلق پہلی بات تو یہی ہے کہ اگر ہمیں صحیح تاریخ مل بھی جائے تو وہ بھی بتائے گی کہ فلاں دور میں اسلامی مملکت کی تفصیلات کیا تھیں، لیکن جیسا کہ میں نے پہلے عرض کیا ہے تفصیلات تو ہر زمانے میں بدلتی رہیں گی۔ اگر ہمیں کسی سابقہ دور کی تفصیل معلوم بھی ہو جائے تو ان سے صرف تاریخی فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے۔ ان میں سے اگر کوئی تفصیل ہمارے زمانے کے تقاضا کو پورا کرتی ہے تو اسلامی مملکت اسے اختیار کرے گی۔ اگر ایسا نہیں تو وہ اپنے لئے تفصیل آپ مرتب کرے گی۔

علاوہ انہیں ہماری تاریخ خود تاریخ کے اصولوں کی روش سے بھی مستند تاریخ نہیں کہلا سکتی۔ یہ تاریخ صدر اول کے قریب تین سو سال بعد زبانی روایات کی روش سے مرتب ہوئی تھی۔ اس میں اختلافات خود اس امر کے شاہد ہیں کہ اسے مستند قرار نہیں دیا جاسکتا۔ مستند اور غیر متبدل قرآن کے اصول و اقدار ہیں جو قرآن کے اندر محفوظ چلے آتے ہیں۔ اسلامی مملکت انہی اصول و اقدار کی حدود کے مطابق قائم ہوگی۔ اس لئے اسے اسلامی قرار پانے کے لئے خارج از قرآن سابقہ ادوار میں متعین کردہ جزئیات کی ضرورت نہیں ہوگی۔ اس کی ضرورت تو جب ہو کہ اس کی جزئیات کو آج بھی من و عن اسی شکل میں نافذ کرنا لازمی ہو۔ صدر اول کے بعد آج تک جتنی ریاستیں بھی قائم ہوئیں وہ اسلامی نہیں تھیں کیونکہ ان میں اقتدار مطلق قرآن کو حاصل نہیں تھا۔ وہ مسلمانوں کی سلطنتیں تھیں۔ ان میں قرآن کا کوئی عمل دخل نہیں تھا۔ وہ تو قائم بھی قرآن کے مطابق نہیں ہوئے تھیں۔ ما انزل اللہ اور ملوکیت ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ وہ تو اس مملکت کو جو بنو ہاشمیر قائم کی جائے یا مروئی بادشاہت ہو غیر اسلامی قرار دیتا ہے۔ اگر کسی غیر قرآنی ریاست میں قرآن کے کسی حکم کو نافذ بھی کر دیا جاتا تو اس سے وہ ریاست اسلامی نہیں ہو جاتی۔ انڈیا والے اگر شراب کو ممنوع قرار دے دیں (جو کہ اسلام کا حکم ہے) تو اس سے بھارت کی حکومت مستند اسلامی نہیں ہو جاتی۔ حکومت کے اسلامی ہونے کے لئے بنیادی شرط یہ ہے کہ اس کا جملہ کار و بار ما انزل اللہ کے مطابق ہو۔ سوائے اس پہلے دور کے جس کی شہادت خود قرآن نے دی ہے۔ (تاریخ کی روش سے نہیں) کسی دور میں کسی مملکت میں ما انزل اللہ کے مطابق حکومت قائم نہیں ہوئی۔ اگر کسی نے اسلامی حکومت قائم کرنی ہے تو اس کے لئے دیکھنا یہ ہوگا کہ قرآن کے اصول و اقدار کیا ہیں؟ ان اصولوں کی حدود کے اندر رہتے ہوئے اُمت باہمی مشاورت سے اس کی تفصیلات طے کر لیں گی۔

نتیجہ: عرض کرنے کا مقصد یہ تھا کہ اگر آپ سے یہ مشورہ طلب کیا جائے اور آپ سے یہ عرض کیا جائے کہ جناب ہم اسلامی مملکت قائم کرنا چاہتے ہیں تو قرآن مجید کی روش سے اسلامی مملکت کے خطوطال کیا ہو

سکتے ہیں۔ اس کا ڈھانچہ کیا ہوگا۔ وہ غیر متبدل اصول کیا ہیں..... جن کے اندر نہ کہ ہم اسلامی مملکت قائم کر سکتے ہیں؟

پرویز:- میں اس پر غور تو کرتا رہتا ہوں، لیکن اس کے متعلق کوئی بات نہیں کرتا، کیونکہ یہ میرے اور آپ کے کہنے کی نہیں۔ اس کا نائدہ کوئی نہیں۔ فائدہ تو اس وقت ہوگا جب اسلامی حکومت کے لئے پہلا اساسی قدم اٹھایا جائے یعنی یہ فیصلہ کہ ریاست جلد کاروبار قرآنی حدود کے اندر رہتے ہوئے اُمت کے مشورہ سے ہوگا۔

الطاف:- آپ کے خیال میں وہ اساسی حالات کیا ہوں گے؟

پرویز:- میں نے عرض کیا ہے کہ میں ان چیزوں کے متعلق کچھ نہیں کہا کرتا۔ یہ قبل از وقت ہیں۔ جہاں اسلامی مملکت قائم ہوگی وہاں کے اربابِ فکر اس کے متعلق سوچیں گے۔

الطاف:- آپ کی اس گفتگو سے یہ احساس ہوا ہے کہ یہ تاثر ملا ہے جیسے آپ کسی یوٹوپیا کی بات کر رہے ہیں۔ کہ جب ایسا ہوگا تو ایسے ہوگا اور پتہ نہیں کب ہوگا، احساس یہ ہوا ہے کہ یہ کوئی تصوراتی قسم کی بات ہے کہ شاید ایسا ہو جائے ورنہ اس کے مثبت امکانات نہیں ہیں۔ ہم یہ سمجھتے ہیں کہ جب پاکستان قائم ہوا تو ایک خطے کے مسلمانوں کے تحفظ کے لئے جو خطہ چنا گیا اس کے ارد گرد جو سرحدیں قائم ہوئیں اس کو پاکستان کا نام دیا گیا۔ اسے برصغیر کے مسلمانوں کی مملکت اور ریاست کہا گیا۔ ظاہر ہے اس وقت اس حوالے سے ایک خطہ زمین تو مسلمانوں کے پاس ہے، لہذا لوگوں کو یہ بتانا ضروری ہے کہ اس میں اسلامی ریاست کے خط و خال کیا ہو سکتے ہیں۔ آپ ان کی کیا تصویر لوگوں کو پیش کریں گے؟

اسلامی ریاست یوٹوپیا نہیں

پرویز:- معاف رکھئے، یا تو میں اپنا مفہوم واضح نہیں کر سکا۔ یا آپ سمجھے نہیں۔ اسلامی مملکت کا قیام یوٹوپیا نہیں۔ یہ ہر دور میں ہر وقت ممکن العمل ہے لیکن آج ہم جس دور میں رہ رہے ہیں اس میں مسلمانوں کی کوئی مملکت ایسی نہیں جس نے یہ کہا ہو کہ وہ اپنا تمام کاروبار انزل اللہ کے مطابق کرے گی۔ اور وہ ایسا کر رہی ہو۔ ظاہر ہے اس صورت میں یہ سوچنا اور ورک اڈ کرنا کہ اس اسلامی ریاست کی شکل کیا ہوگی، انتخابات کیسے ہوں گے؟ مشاورت کیسے ہوگی۔ پارلیمنٹ بھی ہوگی یا نہیں؟ آئین اس قسم کا ہوگا، یہ سب کچھ قبل از وقت ہوگا۔ اور مفید مطلب بھی نہیں کہ یہ جزئیات اس وقت کے حالات کے مطابق طے ہوں گی۔ میری عمر اسی میں گذر رہی ہے۔ یہی چیز تھی جو میں نے علامہ اقبالؒ سے سیکھی۔ میری فکر قرآنی انہی کے فیضان کی رہی منت ہے۔ یہی چیز تھی جو تحریک پاکستان کے دوران مجھے قائد اعظم کے گوش گزار کرنے کا موقع ملا اور ان سے ملاقاتوں میں یہ اصول ہی تھے جن پر ہم بحث کرتے تھے۔ اگرچہ قائد اعظم کی نظر میں تھا کہ یہاں ایک خطہ زمین مل رہا ہے اور وہاں ہمیں یہ کام کرنے

ہیں۔ انہوں نے بھی (جہاں تک میرے علم میں ہے) کسی آئین کا خاکہ یا جزئیات کا نقشہ نہیں بتایا تھا، جب بھی بات ہوتی وہ یہی پوچھتے کہ بتاؤ اس مملکت کے اصول کیا ہوں گے؟ ہاں اگر اصول کے متعلق آپ پوچھتے ہیں تو اس میں بنیادی بات جو قرآن کہتا ہے وہ یہ ہے کہ "اس مملکت میں ہر انسان کی بحیثیت انسان تکمیل ہوگی" اس مملکت کا کوئی فیصلہ خواہ وہ اشارۃً یا کنایۃً ہی کیوں نہ ہو، اگر ایسا ہے کہ اس سے کسی انسان کی تزیل ہوتی ہے وہ ما انزل اللہ کے خلاف ہوگا۔ اب یہ کہ اس مقصد کے لئے کس قسم کے قانون بنائے جائیں گے یہ میرے بتانے کی بات تو یہ ہے کہ اس میں کسی انسان کی تزیل نہ ہو۔ اور یہ اتنا بڑا اصول ہے کہ اگر آپ اس کی جزئیات میں جائیں تو معلوم نہیں کیا کچھ سوچنا اور کرنا پڑے۔ اس میں تو جہم اور انسان میں بھی فرق نہیں کیا جائے گا۔ اسلامی مملکت کا دوسرا اصول یہ ہے کہ اس میں کوئی فرد بھی بنیادی ضروریات زندگی سے محروم نہیں رہے گا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق اگر کسی بستی میں ایک فرد بھی رات کو بھوکا سو گیا تو اس بستی سے خدا کی حفاظت کی ذمہ داری اٹھ جائے گی اور وہ بستی اسلامی نہیں رہے گی۔ یہ وہ اصول ہیں جن پر اسلام ریاست عملی طور پر کام کرے گی۔ ممکن ہے اس شعبے میں میں مشورہ نہ دے سکوں، کوئی ماہر اقتصادیات مشورہ دے سکے۔ تاہم اصول یہ ہوگا کہ کوئی فرد رات کو بھوکا نہ سوئے۔ کوئی فرد تین ڈبھانچے بغیر نہ رہے، کوئی فرد

رزق سے محروم نہ رہے۔ یہ اتنی بڑی ذمہ داری ہے جو اس مملکت کو پورا کرنا ہے۔ اس ذمہ داری سے وہ کس طرح عہدہ برآ ہوتی ہے یہ اس مملکت کے کرنے اور سوچنے کا کام ہوگا۔ اس وقت حالت کیا ہوں گے۔ کون لوگ مشورہ دیں گے۔ یہ الگ بات ہے۔ علامہ اقبال نے بھی ساری عمر یہی اصول بیان فرمائے اور قائد اعظم نے بھی۔ آپ دیکھتے ہیں جو کچھ انہوں نے کہا وہ اصول ہی تھے۔ کہیں انہوں نے جزئیات کی تشکیل کا ذکر نہیں کیا۔ میں تو ہندوستان میں بھی اور یہاں بھی تیس پینتیس سال سے اصول ہی بیان کر رہا ہوں کہ اس میں یہ یہ

حلقہ اعظم اس باب میں کس قدر محتاط تھے، اس کا اندازہ اس سے لگایے کہ (تحریک پاکستان کے دوران تو ایک طرف) تشکیل پاکستان کے بعد انہوں نے بحیثیت گورنر جنرل فروری ۱۹۵۷ء میں اہل امریکہ کے نام ایک پیغام براہ کاسٹ کیا تھا۔ اس میں اس سوال کے جواب میں کہ پاکستان کا کالونی ٹیوشن کیا ہوگا، کہا تھا کہ

پاکستان کا کالونی ٹیوشن، پاکستان کی مجلس دستور ساز نے منظور کرنا ہے! میں نہیں کہہ سکتا کہ اس آئین کی آخری شکل کیا ہوگی۔ لیکن مجھے یقین ہے کہ وہ اسلام کے بنیادی اصولوں کا حامل جمہوری آئین ہوگا۔ یہ اصول عملی زندگی میں آج بھی اسی طرح ممکن العمل ہیں جس طرح تیرہ سو سال پہلے تھے۔۔۔۔۔۔ اتنی

بات واضح ہے کہ پاکستان ایسی مملکت نہیں ہوگی جہاں فقہاء کیسی عمل پیرا ہو۔

آپ غور کیجئے کہ قائد اعظم۔۔۔ قوم کے مسدہ راہ نما۔ پاکستان کے گورنر جنرل اور اعلیٰ پایہ کے مفکر ہونے کی جہت سے۔۔۔ اس پوزیشن میں تھے کہ دستور پاکستان کی کچھ تفصیلات بیان کر دیتے۔ لیکن (باقی اگلے صفحہ کے نیچے)

خصوصیات ہوں گی تو اسے اسلامی ریاست کہا جائے گا۔ یہ کس طرح سے ہوگا۔ یہ بات مملکت کے طے کرنے کی ہے اور اس وقت قبل از وقت۔ کیونکہ اس وقت اس کے بیسیوں شعبے ہوں گے ہر شعبے میں تو میں مشورہ نہیں دے سکوں گا جو اس کے اہل ہوں گے وہی مشورہ دیں گے۔ اس میں قرآن کی روش سے مرد اور عورت کی مساوات ہوگی۔ اس حوالے سے بھی یہ چیز ان کے طے کرنے کی ہوگی۔ وہاں تعزیرات کائنات کا اصول ہے کائنات کو مستحکم کر کے اس کی قوتوں کو قرآن کی اقدار کے مطابق نوع انسان کی منفعت کے لئے استعمال میں لانے کی شرط ہوگی۔ قرآن کی روش سے بقا اسی کام کے لئے ہے جو نوع انسان کی منفعت کے لئے کیا جائے۔ اگر اس اصول کا دائرہ وسیع کر دیا جائے تو اس کے اندر پوری انسانیت آجاتی ہے۔ جب بھی کوئی شخص اسلامی مملکت کے قیام کا ارادہ کرے تو یہ بات نظر رکھے کہ یہ اس کی ذمہ داریاں ہیں۔ اسے جہاں سے بھی شروع کرنا ہے وہ قدم اول اٹھا سکتا ہے اس کے بعد بتدریج اس کی تکمیل ہوگی۔ یہ پہلے دن ہی نہیں ہو سکے گا۔

مشاورت کے لئے کس قسم کے لوگ ہوں گے

الطافؔ۔ جہاں تک مشورے کا تعلق ہے کیا اس کے لئے کوئی ایسی چیز ہے جس سے ہم سمجھ سکیں کہ مشورے کے لئے کس قسم کے آدمی کو قابل اعتبار سمجھا جائے، کس قسم کے آدمی سے مشورہ کیا جائے۔ یا اس طرح کہ جیسے یونان میں ہوتا تھا کہ ایک پورا شہر یا ملک اکٹھا ہو کر فیصلہ دیا کرتا تھا۔ آپ کے خیال میں مشورے کے لئے کس قسم کے لوگوں کا ہونا ضروری ہے؟

خادوقؔ۔ مزید... آپ کی نظروں سے گذر رہا ہے کہ ان دنوں مجلس مشاورت کے بڑے چرچے ہیں جو ہمارے یہاں بن رہا ہے۔ اگر موجودہ صورت میں شوری قائم کر دی گئی تو اس کے مشوروں کی قانونی (خصوصاً اسلامی حوالے سے) کیا حیثیت ہوگی؟

پیر ویزا۔ میرے نقطہ نگاہ سے وہ ہمارے ملک کے قوانین ہوں گے۔

شاہجی۔ اس میں مجلس مشاورت کی حیثیت کیا ہوگی؟

پیر ویزا۔ یہ تو نام رکھنے کی بات ہے۔ پہلے اس کا نام پارلیمنٹ تھا، اب مجلس مشاورت رکھ لیں۔ صرف نام رکھنے سے تو مجلس مشاورت اسلامی نہیں ہو جاتی۔ اسلامی مملکت کی مجلس مشاورت ہی اسلامی ہوگی۔ ہمارے ہاں مصیبت

(زبانی حاشیہ) انہوں نے اس سے عذر اجتناب برتا اور یہ کہہ کر کہ یہ تفصیلات مجلس دستور ساز کے طے کرنے کی ہیں یہ واضح کر دیا کہ جو فریضہ پوری قوم کا ہو کسی فرد کو حق نہیں پہنچتا کہ وہ اس باب میں لب کشائی کرے۔ ایسا کرنا غیر ذمہ دار بھی ہوتا ہے اور قبل از وقت بھی۔ حقیقت یہ ہے کہ جو قوم عمل سے بیگانہ ہو چکی ہو، وہ اس قسم کی لاعلم نظری بحثوں میں بڑی لذت لیتی ہے۔ اس سے، سوائے اس کے کہ قوم میں اختلافات پیدا ہوں اور انتشار پڑھے، کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ ہمارے ہاں یہی سہل ہے۔ اسلام کا مفہوم تک متعین نہیں، اور اسلامی مملکت کی جزئیات متشکل کرنے کی بحثیں جاری ہیں۔ اسے کہتے ہیں "پانی بلونا"۔

(طلوع اسلام)

یہ ہے کہ جس کا جی چاہے اٹھ کر کسی چیز کو اسلامی کہہ دے ایسا کہنے کے لئے اس کے پاس اتھارٹی کیا ہے نہ اس کا ابھی تک تعین کیا گیا ہے نہ ہی کوئی ایسا بتانے کی ضرورت سمجھتا ہے۔

نتیجہ :- کوئی مثال !

اسلامی اور غیر اسلامی

پروین :- مثلاً کل تک جو طب یونانی تھی آج وہ طب اسلامی ہے۔ ہمارے حکیم خود اسے طب یونانی کہتے تھے۔ اب اسی کو طب اسلامی کہنے لگ گئے ہیں۔ نہ کوئی پوچھتا ہے نہ بتاتا ہے کہ اس طب میں کیا تبدیلی ہوئی ہے جس سے وہ یونانی سے اسلامی ہو گئی ہے۔ ذرا اس بنیادی بات کو سمجھئے۔ جب آپ کہتے ہیں کہ یہ فیصلہ آئین کے خلاف ہے، یا آئین کے مطابق ہے تو ظاہر ہے کہ یہ بات مسلمہ ہوتی ہے کہ کوئی آئین موجود ہے جس کے حوالے سے آپ یہ کہتے ہیں کہ یہ اس کے مطابق ہے یا خلاف، اس کے لئے پہلے آئین کا موجود ہونا ضروری ہے۔ پھر اس آئین کے متعلق یہ بھی ضروری ہے کہ جو دو فرق اس کی بات کرتے ہیں وہ دونوں اس پر متفق ہوں اور اسے فائل اتھارٹی مانتے ہوں۔ اس کے بعد یہ بات آگے چلاؤں کہ متنازعہ فیہ معاملہ آئین کے مطابق ہے یا اس کے خلاف۔ اسی طرح جب آپ قانون کی بات کرتے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ قوانین کا کوئی ضابطہ موجود ہے جس کی روش سے یہ طے ہوگا کہ وہ بات قانون کے مطابق ہے یا اس کے خلاف۔ لیکن اسلام کے ساتھ یہ عذر ہوتا ہے کہ "غریب کی جود سب کی بھالی" جس کا جی چاہے جس شے کو چاہے اسلامی کہہ کر کوئی نہیں بتاتا کہ ایسا کہنے کے لئے اس کی اتھارٹی کیا ہے۔ لہذا یہ ضروری ہے کہ پہلے یہ طے کیا جائے کہ کسی بات کو اسلامی یا غیر اسلامی کہنے کے لئے اتھارٹی کیا ہے۔ اگر یہ بات طے ہو جائے تو سارے جھگڑے ختم ہو جائیں۔ میں کسی پر تنقید نہیں کرنا چاہتا لیکن اس نکتہ کی وضاحت کے لئے مثال کے طور پر ایک واقعہ سامنے لانا چاہتا ہوں۔ یہ تو آپ کو معلوم ہے کہ نظام مصطفیٰ کے قیام کے لئے مختلف علماء میں اتحاد ہوا تھا۔ وہ نظام مصطفیٰ کیا تھا ایک اسلامی ریاست کا قیام ہی تھا نا!..... ان سب کا اس بات پر اتفاق تھا۔ یعنی یہ سب اسلامی ریاست یا نظام کے متعلق متفق تھے۔ انہی دنوں کی بات ہے کہ ہمارے قریب ہی چودھری ظہور الہی (مرحوم) کی کوٹھی میں ایک افطار کی دعوت تھی جس میں اتحاد کے نامور لیڈر موجود تھے۔ علماء حضرات بھی تھے۔ افطار کی میز پر تو وہ سب اکٹھے بیٹھے تھے لیکن جب مغرب کی نماز کے لئے اذان ہوئی تو مفتی محمود (مرحوم) اپنے ٹولے کو لے کر ایک طرف کو ہو گئے اور مولانا نورانی صاحب دوسری طرف۔

الطاف :- جماعت اسلامی والے بھی ایک طرف ہو گئے ہوں گے؟

پروین :- جی نہیں اخبار میں ان دو ہی جماعتوں کا ذکر آیا تھا۔ ظاہر ہے کہ نظام مصطفیٰ میں بنیادی حیثیت نماز کو حاصل ہوگی لیکن یہ حضرات تھے کہ نظام مصطفیٰ کے قیام کے لئے تو متحد تھے لیکن علماء اس نظام کی بنیادی شکل میں ایک دوسرے سے الگ۔ پھر یہ بھی سمجھ لیجئے کہ ان میں شیعہ سنی کا فرق نہ تھا۔ اہل فقہ

اور اہل حدیث کا بھی فرق نہیں تھا۔ یہ دونوں اہل فقہ تھے۔ (اگرچہ فقہ بھی چارہ ہیں) مگر یہ دونوں حنفی فقہ کے ماننے والے تھے۔ آپ سوچئے کہ جو حضرات یہ نہ طے کر سکیں کہ نماز کی مصطفویٰ شکل کیسی ہے کیا وہ نظام مصطفیٰ کا کوئی متفق علیہ نقشہ قائم کر سکیں گے؟

خادوق بد آپ نے ایک ایسے معاشرے کا ذکر کیا ہے جس میں انسانیت کی تذلیل نہ ہو اور انسانیت میں مسلم و غیر مسلم کی تمیز بھی نہیں ہے تو آپ ایک ایسے معاشرے کے متعلق کیا کہیں گے جس میں نماز روزہ تو ہو لیکن اس کے ساتھ انسانیت کی تذلیل بھی پورے روزہ شور سے موجود ہے۔ ایسے معاشرے اور حکومت سے متعلق آپ کی رائے کیا ہے؟

نماز، روزہ اور اسلامی معاشرہ

پرویز:- نماز، روزہ فرائض ہیں جن کی ادائیگی اور احترام ضروری ہے۔ لیکن محض نماز روزہ سے معاشرہ اسلامی نہیں ہو جاتا۔ اسے ایک مثال کی تڑپ سے سمجھئے۔ فوجی سپاہی کھلے لئے پر پڑ ضروری ہوتی ہے اور وردی بھی۔ یہاں تک کہ وردی میں جوئے کا سہمہ باندھنے کے لئے بھی ایک قاعدہ مقرر ہوتا ہے۔ ایک سپاہی کے لئے ضروری ہوتا ہے کہ وہ ان قواعد کا پابند رہے۔ لیکن اصل بات یہ ہے کہ وہ میدان جنگ میں جاکر دشمن کا مقابلہ کرتا ہے یا نہیں۔ اگر وہ سارا دن تسہم ہی باندھتا رہے تو وہ سپاہی نہیں بن سکتا۔ ایک واقعہ آپ کو سنا دوں۔ ایک شخص حضرت عمرؓ کی عدالت میں پیش ہوا، انہوں نے اس سے کہا اپنا گواہ لاؤ۔ اس نے کہا کہ فلاں شخص میرا گواہ ہے۔ آپ نے پوچھا کہ اس کے متعلق تمہیں کچھ پتہ بھی ہے۔ کہا جی ہاں۔ فرمایا۔ تم کبھی اس کے پڑوس میں رہے ہو؟ کہا نہیں۔ سفر میں کبھی اس کے ساتھ گئے ہو؟ کہا نہیں۔ کبھی اس کے ساتھ کچھ کاروبار کیا ہے؟ کہا نہیں۔ کہنے لگے تو پھر تم نے اسے مسیہ میں اٹھتے بیٹھتے دیکھ لیا اور سمجھ لیا کہ وہ معتبر آدمی ہے۔ کہا جاؤ! کسی معتبر آدمی کو لاؤ۔ کسی کے مسلمان (یعنی مومن) ہونے کے لئے دیکھنا یہ ہوگا کہ اس کا کردار کس قسم کا ہے۔ انسانوں کے ساتھ اس کا معاملہ کس قسم کا ہے۔ قرآن مومن کی حقیقی صفات بیان کرتا ہے۔ ان میں پہلی بات یہی ہے کہ تمہارا آپس کا معاملہ کیسا ہے۔ جیسا کہ پہلے عرض کر چکا ہوں قرآن کریم نے کہا ہے کہ بقا اسی عمل کے لئے ہے جو لوگوں انسان کے لئے منفعت بخش ہو۔ آپ نماز، روزہ کا کہہ رہے ہیں۔ اسلام میں سب سے اہم رکن حج ہے۔ حج کے متعلق مسلمانوں سے کہا گیا ہے کہ دنیا میں اعلان کرو اور لوگوں سے کہو کہ آؤ اور اگر اپنی آنکھوں سے دیکھو کہ ہم تمہاری منفعت کے لئے کیا کچھ کر رہے ہیں۔

معیار قومیت

الطاف:- آپ نے اپنے ارشادات میں علامہ اقبالؒ کا ذکر کیا تو میں انہی کے حوالے سے یہ کہوں گا کہ جیسے انہوں نے ترکی اور ایران کی بات کرتے ہوئے کہا ایسی ریاست جس میں اکثریت مسلمانوں کی ہو اس میں نیشنل ازم

اور اسلام میں کوئی تضاد نہیں تھا۔ آپ پاکستان کے بارے میں فرمائیے کہ یہاں جو صورت حال ہے اس میں اسلام کا نیشنلزم کے ساتھ کوئی تضاد نہیں ہے؛
پرویز:- نیشنلزم سے آپ کی مراد کیا ہے۔ کسی خاص نسل کے لوگ یا ایک مملکت کے اندر رہنے والے تمام لوگ؟

الطاف:- تمام لوگ (بلکہ لحاظ مذہب)۔

پرویز:- یہی تو سارا جھگڑا تھا (انڈیا کے اندر) پاکستان کے مطالبے کی وجہ جواز یہی تھی کہ ہم اسے قومیت کی تشکیل کا معیار قرار نہیں دیتے تھے۔ مطالبہ پاکستان کے مخالف کہتے تھے کہ اس علاقے کے اندر بسنے والے تمام لوگ خواہ وہ ہندو ہیں، سکھ ہیں، عیسائی، پارسی یا مسلمان ایک قوم ہیں۔ ہم کہتے تھے کہ اسلام کے نزدیک قوم کا معیار یہ نہیں، ہمارے نزدیک قومیت کا معیار دین کا اشتراک ہے۔ ہم نے پاکستان اسی اصول پر بنایا تھا۔ پھر اس سوال کا مطلب کیا ہے کہ اسلام میں قومیت کا معیار کیا ہے۔ بہر حال قرآن کی رو سے معیار قومیت اشتراک دین ہے۔ جب دین میں اسلامی حکومت قائم ہوئی تھی تو مصر میں بسنے والا مسلمان بھی اس قوم کا فرد تھا۔ اور ایران کے اندر کا مسلمان بھی اس قوم کا فرد تھا۔ مسلمان جہاں بھی تھا اس کا فرد تھا۔ لیکن مکے کے اندر رہنے والا ابو جہل اس کا فرد نہ تھا۔ یہ ٹھیک ہے کہ اس مملکت کے اندر بسنے والے شہری کی حیثیت سے اس کو کچھ حقوق دیئے گئے۔ مراعات دی گئیں لیکن وہ اس قوم کا فرد نہیں قرار پا سکتا اس لئے مملکت کے اندر رہنے والے مسلم اور غیر مسلم صرف اس بنا پر کہ وہ وہاں رہتے ہیں اسلام کی رو سے ایک قوم نہیں بن سکتے۔

ناجی:- اس کا مطلب ہے کہ جہاں جہاں بھی مسلمان بستا ہے، وہ مسلم قوم کا فرد ہے۔ اس حوالے سے تو ہم سب ایک قوم ہوئے۔ پھر جغرافیائی تقسیم کے کیا معنی ہیں؟ دوسرا سوال اس ضمن میں یہ کہ مولانا مودودی بھی نظریاتی سرحدوں پر زور دے کر جغرافیائی سرحدوں کی اہمیت کو نظر انداز کرتے تھے آپ کے نقطہ نظر میں اور مولانا مودودی کے نقطہ نظر میں کیا فرق ہوا؟

پرویز:- فرق یہ ہے کہ جن حالات میں ہم اس وقت بس رہے ہیں ان کے حوالے سے اس علاقے (خطے کی) حفاظت مقدم ہے۔ قرآن نے خود ہی کہا ہے کہ اپنی سرحدوں کی حفاظت کیا کرو، کیونکہ سرحدوں کے مٹ جانے سے مملکت کا الگ تشخص ہی مٹ جائے گا۔ ایک حد ہماری ہے، ایک انڈیا کی، اس کے مٹ جانے سے آپ مٹ جائیں گے۔

الطاف:- مگر دوسری طرف ایران ہے۔

پرویز:- اگر دونوں اسلامی ریاستیں ہوں گی تو یہ حد نہیں ہوگی، لیکن جو ریاست اسلامی نہیں اس کے ساتھ ہم حد بندی کریں گے تو سارا تشخص قائم رہے گا۔

ناجی:- اسلامی ریاست سے آپ کی مراد اس جگہ کے رہنے والے لوگ ہیں یا حکمران۔ اگر لوگ، تو پھر افغانستان بھی اسلامی ریاست ہے؟

پرویز:- میں نے پہلے عرض کیا تھا کہ آج کوئی بھی ریاست اسلامی نہیں۔ یہ سب مسلمانوں کی مملکتیں ہیں اسلامی ریاست میں عوام اور حاکم کا بھی کوئی تصور نہیں ہوتا۔ وہاں حاکم بھی کوئی نہیں ہوتا محکوم بھی کوئی نہیں ہوتا سب احکام خداوندی کے محکوم ہوتے ہیں۔

خاروق:- آپ نے فرمایا تھا کہ ایران اور عراق
پرویز:- میں نے آج کا ایران اور عراق نہیں کہا تھا میں نے شرط عائد کی تھی کہ اگر وہ دونوں اسلامی مملکتیں بن جائیں تو پھر ان میں حد نہیں رہے گی۔ اس صورت میں ایک ہی امت ہوگی اور اس کا ایک ہی ضابطہ۔ آپ انتظامی سہولتوں کی خاطر ان کا الگ الگ تشخص بھی قائم رکھ سکتے ہیں جس طرح ایک ریاست کے اندر مختلف صوبے ہوتے ہیں وہ محض انتظامی سہولت ہوگی۔ جو سکنا ہے ہم پاکستان اور ایران کی اسلامی مملکتوں کی یہی شکل رکھ لیں لیکن دونوں میں امت ایک ہوگی۔ پوری دنیا کے اندر بسنے والے مومن ایک ہوں گے۔ جب مقصد بھی ایک ہوگا (دین کا قیام) تو نظام بھی سب کا ایک ہی ہوگا۔ جو سکنا ہے کہ مقامی حالات کے مطابق ان کے نظم و نسق میں کچھ فرق ہو لیکن ان سب کا نصب العین واحد ہوگا۔ قرآن کی فرماں روائی۔

فٹا میٹل از م

اجی:- آپ نے امت واحدہ کے تصور کا ذکر کیا اس سلسلے میں ایک تحریک دنیا بھر میں چل رہی ہے اسے اسلامک فٹا میٹلزم کہا جاتا ہے، یا احیائے اسلام کی تحریک۔ اس وقت اخوان المسلمون ہیں، انڈونیشیا میں مسجری پارٹی ہے سعودی عرب میں بھی جن لوگوں نے کارروائی کی، انہوں نے بھی بنیاد پرستی کا نام لیا۔ جہاں یہاں بھی اسی طرح کی تحریک چل رہی ہے ایران میں بھی چل رہی ہے اور دوسرے مسلم ممالک میں بھی اس کا پتہ چلتا ہے۔ آپ کیا سمجھتے ہیں کہ یہ تحریک احیائے اسلام (دین) کے فروغ کا کوئی سلسلہ ہے۔ مزید یہ کہ مولانا مودودی نے بھی ایک جگہ فرمایا ہے کہ اصل چیز نظریاتی سرحدیں ہوتی ہیں جغرافیائی سرحدیں نہیں آپ نے بھی یہ فرمادیا کہ اسلامی مملکت نام کی کوئی چیز اس وقت موجود نہیں تو ظاہر ہوا کہ اسلامی مملکت کی سرحدیں بھی موجود نہیں۔ اس صورت میں سرحدوں کا تصور کب رہ جاتا ہے؟ آپ نے تو اسلامی مملکت کے وجود کو تسلیم نہ کر کے جغرافیائی سرحدوں کا مسئلہ ہی ختم کر دیا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ آپ قرآن کے طالب علم ہیں، مولانا مودودی نے بھی ایک کتاب تھیم القرآن لکھی ہے اس میں اسلامی مملکت کے کیا خطوط و خال ملتے ہیں۔ کیا وہ آپ کی اسلامی مملکت سے ملتے ہیں؟

پرویز:- پہلے تو یہ عرض کروں گا کہ مودودی صاحب نے جغرافیائی سرحدوں کی اہمیت کو کم کرنے کے متعلق جو کچھ کہا تھا وہ موجودہ حالات میں تباہی کی طرف جانے والی بات ہے۔ اس سے تو مملکت پاکستان کا وجود ہی ختم ہو جائے گا۔ آج کے دور میں جغرافیائی سرحدوں سے ہی مملکت کا تشخص ابھرتا ہے اس لئے ان کا قائم رکھنا بے حد ضروری ہے۔ اور قرآن نے انہی حالات میں کہا تھا "اپنی سرحدوں کی حفاظت

کردہ۔ بھارت اور ہمارے درمیان جغرافیائی سرحد کو قائم رکھنا بے حد ضروری ہے۔ ہمارے اور افغانستان کے درمیان بھی اسی طرح کی جغرافیائی سرحد ہے۔ اگر اسلامی مملکت کی بات کریں تو ہم اور بھارت میں تو جغرافیائی سرحد پر قرار رہے گی لیکن ایران یا افغانستان میں اگر اسلامی مملکتیں ہوں گی تو سرحدوں کی ضرورت نہیں رہے گی۔ میں نے مسلمانوں کی موجودہ مملکتوں کو خیر اسلامی کہہ کر جغرافیائی سرحدوں کو ختم نہیں کر دیا ان کی اہمیت کو اور بڑھا دیا ہے۔

دوسری بات آپ نے فنڈا مینٹلزم کی کہی ہے ایسے بڑی گہری سازش ہے اقبالؒ نے بہت پہلے اس خطرہ کی نشاندہی کی تھی۔ قرآن یا اسلام کی رو سے اسلامی مملکت وہ تھی جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور خلافت راشدہ کے ادوار میں قائم ہوئی تھی۔ اس کے بعد خلافت ملکیت میں بدل گئی اور عباسیوں کے دور میں یہ پروان چڑھی کیونکہ اس دور میں تاریخ، روایات، فقہی قوانین، مختلف عقائد و نظریات سرگت ہوئے اور وہ تین عناصر جو نوع انسانی کے لئے لعنت ہیں اور جنہیں مٹانے کے لئے اسلام آیا تھا، یعنی شخصی حکومتیں مذہبی پیشوائیت اور نظام سرمایہ داری کی بنیادیں مستحکم ہوئیں۔ اقبالؒ اس اسلام کو بھی اسلام کہہ کر پکارتا ہے اور یہی وہ اسلام ہے جو مسلمانوں کے دلوں کو لالچ چالاک کر رہا ہے۔ اب زمانے کے تقاضوں سے یہ خلاف انسانییت عناصر آہستہ آہستہ مٹ رہے ہیں۔ علاوہ ازیں کچھ غرضہ پہلے مسلمانوں کے بعض ممالک میں ان کے خلاف آوازیں بھی بلند ہونا شروع ہوئیں اور دلوں کے مفکرین نے قرآنی نظام کے قیام کی دعوت بھی دی۔ ظاہر ہے کہ قرآنی نظام، شخصی حکومتوں، تنہا کرسی اور نظام سرباداری کی حامی مملکتوں کے لئے موت کا پیغام ہے۔ ان میں مسلمانوں کی شخصی حکومتیں اور اقوام مغرب سب شامل ہیں۔ انہوں نے باہمی سمجھوتے سے یہ طے کیا کہ قرآنی نظام قائم نہ ہونے پائے۔ پاکستان کا مطالبہ قرآنی نظام کے قائم کرنے ہی کی طرف دعوت تھی اس لئے انگریز ہندو اور ہمارے علماء کی طرف سے (باستثناء چند) اس کی بہت مخالفت ہوئی۔ ان کی مخالفت کی بنیادی وجہ یہی تھی۔ ۱۹۴۷ء میں لکھنؤ میں ایک گل ہندوستان ہندو کانفرنس منعقد ہوئی تھی جس کے صدر مشہور کانگریسی لیڈر مہاتما جی تھے۔ انہوں نے اپنی تقریر میں کہا تھا کہ کیا تمہیں معلوم ہے کہ پاکستان کا مطلب کیا ہے؟ نہیں معلوم تو سن لیجئے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ مسلمان ایک ایسی مملکت قائم کرنا چاہتے ہیں جس میں قرآن کی حکمرانی ہوگی۔ اس کے بعد انہوں نے کہا کہ میں پوچھتا ہوں نیشنلسٹ علماء سے کہ کیا آپ نے عوام کو اس خطرہ سے آگاہ کیا ہے؟ سامعین میں ایک مفتی صاحب نے پکار کر کہا کہ ہم ایسا نہیں ہونے دیں گے۔ اس مخالفت کی آگ سنگتی چلی آرہی تھی لیکن پچھلے دنوں یہ خاصی تیزی سے بھڑک اٹھی۔ اس مخالفت کا طریق کار یہ سوچا گیا کہ مسلمانوں میں اس خیال کو عام کیا جائے کہ حقیقی اور بنیادی اسلام وہی ہے جو عباسیوں کے زمانے میں ایجاد ہوا تھا۔ اس تحریک کا نام فیڈرل میٹل ازم ہے۔

ہمارے دلوں کی شخصی حکومتیں مذہبی پیشوائیت اور اقوام مغرب سب اس کی کامیابی کے لئے متحد اور متفق ہیں۔ آپ نے کبھی اس پر بھی غور کیا کہ ہمارے علماء حضرات جن کی ابھی کل تک یہ حالت تھی کہ ان کے پاس ایک شہر سے دوسرے شہر تک جانے کے لئے بھی کراہی تک نہیں ہوتا تھا اب ہوائی جہازوں پر

ساری دنیا کے چکر لگا رہے ہیں۔ اور یورپ اور امریکہ کے اعلیٰ ترین سڑکوں میں قیام کرتے ہیں۔ ان ممالک میں اسلام سنٹر کھلے ہوئے ہیں جہاں اس عجیب اسلام کے فرد کے لئے سیلاب کی طرح روپیہ بہایا جاتا ہے کوئی نہیں پوچھتا کہ یہ روپیہ کہاں سے آتا ہے۔

علامہ اقبالؒ کی نگاہ دور رس نے بہت عرصہ پہلے اس خطہ کو بھانپ کر قوم کو اس سے متنبہ کیا تھا ان کی آخری تصنیف ”ارمغانِ حجاز“ میں ایک نظم ہے جس کا عنوان ہے۔ ”ابلیس کی مجلسِ شوریٰ“ میرے خیال میں ان کے سارے کلام میں اس عینسی نوثر اور بلیغ نظم کوئی نہیں۔ اس میں انہوں نے ابلیس کی زبان سے کہا ہے کہ اس امت کو قرآن سے دور رکھنے کا طریقہ یہ ہے کہ ان میں عجیب اسلام کو عام کر دیا جائے اس کے پروگرام کا مقطع کا شعر ہے۔

مست رکھو ذکر و فکرِ صبح گاہی میں اسے

پختہ تر کر دو سراجِ خانقاہی میں اسے

ان مختصر اشارات سے آپ نے اندازہ لگا لیا ہوگا کہ یہ سازش کیا ہے اور اس میں کون کون شریک ہے۔ علامہ اقبالؒ کے بعد میری ساری عمر اس سازش کو پسے نقاب کرنے میں گزری ہے اور یہ اس کی یادداشت میں ہے کہ ہمارا مذہب پرست طبقہ میری اس قدر مخالفت کرتا ہے اور میرے خلاف چھوٹے الزامات تراش کر کفر کے فتوے صادر کرتا ہے۔

الطاف! آپ نے پہلے یہ فرمایا کہ نظریاتی سرحدیں اہم ہیں اور جغرافیائی غیر اہم، پھر آپ اس سے اختلاف رکھتے ہوئے کہتے ہیں کہ موجودہ صورت میں جغرافیائی سرحدوں کی حفاظت بھی ضروری ہے تو فرمائیے کہ موجودہ صورت میں جب کہ فی الحال اسلامی ریاست کا قیام عمل میں نہیں آیا اس میں زبانِ نسل یا طبقاتی تفریق کی دُور سے قومیت کا تصور قائم کرنا جائے تو اس پر کیا اعتراض ہوگا؟

پیر و میز! معاف فرمائیے! میں نے کہا یہ تھا کہ ملحقہ اسلامی مملکتوں میں جغرافیائی سرحدوں کی ضرورت نہیں رہے گی لیکن جب تک یہ مملکتیں اسلامی نہیں ہو جاتیں اس وقت تک جغرافیائی سرحدوں کی اہمیت بڑی ہے اور ان کی حفاظت بہت ضروری باقی رہی قومیت کے معیار میں تبدیلی تو ہمارے ہاں قومیت کے قرآنی معیار برقرار رکھنے کی ضرورت اس لئے ہے کہ ہم نے ایک جداگانہ مملکت کا مطالبہ اس بناء پر کیا تھا کہ اسلام کی دُور سے قومیت اشتراکِ دین کی بنا پر وجود میں آتی ہے۔ اگر ہم اس معیار سے انکار کر دیں گے تو ہماری مملکت کے جداگانہ وجود کی وجہ اجواز کوئی نہیں رہے گی اور یہ مطالبہ اٹھ کھڑا ہوگا کہ پاکستان کو ہندوستان سے الگ رکھنے کی ضرورت کیا ہے؟ ہر چند اس وقت ہماری مملکت اسلامی نہیں لیکن اس کے باوجود اس خطہ زمین کی حفاظت ضروری ہے کہ اس سے قرآنی حکومت کے قیام کا امکان نہ ہوے اگر بیخود زمین ہی نہ رہے تو قرآنی حکومت کو قائم کہاں کیا جائے گا؟

قائمِ اعظم کی اگست ۱۹۷۷ء کی تقریر

ناجی! قائمِ اعظم نے اگست ۱۹۷۷ء کو اسمبلی میں جو تقریر کی تھی اس سے یہ تاثر لیا جاتا ہے کہ وہ سیکورائزم کے حامی

تھے۔ مرحوم جسٹس منیر نے بھی اپنی کتاب میں یہی کہا ہے اس کے متعلق آپ کیا کہیں گے؟
الطاف :- میں مزید عرض کروں گا کہ اسلام کا جو تصور آپ نے پیش کیا ہے اس کی تفسیر کا ناسا مسلمان کا
اولیٰ فریضہ ہے اس سے تو خود اسلام ہی سیکولر نظر آتا ہے اس کے متعلق آپ کیا کہیں گے؟

پروڈین :- میں پہلے الطاف صاحب کے سوال کی طرف آتا ہوں جیسا کہ میں نے پہلے کہا تھا ہمارے ہاں بنیادی خرابی یہ
ہے کہ ہم جو اصطلاحات استعمال کرتے ہیں ان کے دائرہ کار کا تعین نہیں کرتے پہلے یہ سمجھ لینا ضروری
ہے کہ سیکولرزم کہتے کسے ہیں۔ مغربی نظام سیاست کی بنیاد اس نظریے پر ہے کہ قوم اپنے لئے جو فیصلے
کرے وہ قول فیصلہ ہوتے ہیں ان پر کوئی پابندی عائد نہیں کی جاسکتی۔ یعنی ان کے نزدیک قانون سازی
کا بلا حدود قبضہ اختیار قوم کو حاصل ہوتا ہے اسے سیکولرزم کہتے ہیں۔ اس کے برعکس اسلام کا اصول
یہ ہے کہ قوم بلکہ پوری کی پوری عالم گیر انسانیت بھی بلا حدود و قیود فیصلے کرنے کی مجاز نہیں۔ وہ ان
حدود کے اندر رہتے ہوئے ہی فیصلے کر سکتی ہے جو خدا نے متعین کئے ہیں اور انہیں کوئی بدل نہیں
سکتا۔ یہ ہے فرق اسلام اور سیکولرزم میں، میں نے جب کہا تھا کہ تفسیر کائنات مسلمانوں کا اولین
فریضہ ہے تو یہاں تک بات سیکولر تھی کیونکہ ایسا مسلم اور غیر مسلم سب کر سکتے ہیں لیکن اس کے
سامنے ہی میں نے یہ بھی کہا تھا کہ مسلمان فطرت کی قوتوں کو حدودِ خداوندی کے اندر رہتے ہوئے صرف
کریں گے۔ اس سے سیکولرزم اسلامی ہو جاتا ہے۔ اب رہی قائد اعظمؒ کی ۱۱ اگست ۱۹۴۷ء کی
تقریر تو اس کے متعلق میں بڑی تفصیل سے لکھنا چاہتا ہوں اور مرحوم جسٹس منیر کے اعتراضات کا
میں نے تفصیلی جواب بھی دیا تھا جو آپ کو ادارہ طلوع اسلام کی طرف سے شائع کردہ پمفلٹ —
”حسن کردار کا نقشہ تابندہ — میں ملے گا۔ سر دوست میں اتنا کہنے پر اکتفا کروں گا کہ اس کا جو جواب
ایک غیر مسلم اہل فکر جو شواہ فضل الدین نے دیا تھا وہ بڑا مسکت تھا۔ انہوں نے کہا تھا کہ اس تقریر سے
غیر مسلم یہ خیال نہ گزریں کہ قائد اعظمؒ سیکولر سٹیٹ قائم کرنا چاہتے تھے وہ خالص اسلامی سٹیٹ قائم
کرنا چاہتے تھے۔ انہوں نے جو کچھ کہا تھا اس کا ملخص یہ تھا کہ یہاں جو حقوق اور مراعات مملکت کے
شہری ہونے کی بنا پر دیئے جائیں گے ان میں مسلم اور غیر مسلم میں فرق نہیں کیا جائے گا۔ اس اعتبار سے
مسلم اور غیر مسلم ایک ہی صف میں کھڑے ہوں گے۔

خاروق :- آپ نے فرمایا ہے کہ سیکولرزم کے حامی غیر متبدل قوانین کے قائل نہیں لیکن وہ قوانین فطرت کو
مانتے ہیں اور غیر متبدل ہیں پھر اس میں اور قرآنی نظریے میں کیا فرق ہے؟

پروڈین :- قوانین فطرت کا تعلق طبعی کائنات اور خود انسان کی طبعی زندگی سے ہے۔ اس میں کا فراور مومن
تو ایک طرف، انسان اور حیدان میں بھی فرق نہیں۔ لیکن جن قوانین خداوندی کا اسلام ذکر کرتا ہے ان کا
تعلق انسانی زندگی کی اقدار سے ہے۔ حیوانات کے ہاں تو اقدار کا تصور ہی نہیں سیکولرزم کے حامی بھی
اقدار کے قائل نہیں۔ اس اعتبار سے قرآن انہیں حیوانی زندگی کی سطح پر ہی رکھتا ہے۔

الطاف :- اسلامی ریاست کے تصور میں آپ کے اور مودودی صاحب کے موقف میں کیا فرق ہے؟

مرحوم مودودی صاحب

پرویز:۔ بنیادی فرق! مودودی صاحب، اُس اسلام کا احیاء چاہتے تھے جسے میں نے عجمی اسلام سے تعبیر کیا ہے۔ آپ نے دیکھا نہیں کہ یہ تجویز انہیں کی پیش کردہ تھی کہ پاکستان میں حنفی فقہ نافذ کر دی جائے۔ یہ بڑی دلچسپ بات ہے کہ وہ حنفی فقہ کو محمد شاستر قرار دیتے تھے اور اس کے ساتھ ہی لکھتے تھے کہ یہ بھی تجویز کر دیا کہ پاکستان میں اس فقہ کو قوائینِ مملکت کی حیثیت سے نافذ کر دیا جائے۔ ظاہر ہے کہ محمد شاستر کو اس قابل ہی نہیں ہوتا کہ وہ نافذ العمل ہو سکے۔ حنفی فقہ کے جو چند قوانین یہاں نافذ کئے گئے ہیں ان کے متعلق خود صدر پاکستان یہ اعتراف کر چکے ہیں کہ ان کا عمل میں لایا جانا ناممکن ہے۔ آپ نے کبھی سوچا کہ مودودی صاحب نے یہ جانتے ہوئے کہ حنفی فقہ اس قدر ناقابلِ عمل ہے اسے مملکت کے قوانین بنانے کی تجویز کیوں کی تھی؟ وہ آخر تک مطالبہ پاکستان کی شدید مخالفت کرتے رہے۔ حتیٰ کہ اپریل ۱۹۷۷ء میں جب پاکستان کا دستور ایک عملی شکل اختیار کر چکا تھا انہوں نے مسلمانوں کے تعلیمی اصولوں کا دورہ شروع کیا اور ان سے کہا کہ تم جانتے ہو کہ تقسیم ہند سے کثرتِ دلوں کو تو ایک مملکت مل جائے گی اور تمہارا یہاں حشر کیا ہوا مقصد یہ تھا کہ آخری حربہ کے طور پر ان لوگوں کو مطالبہ پاکستان کی مخالفت پر اکسایا جائے۔ وہیں تو یہ ناکام رہ گئے یہاں انہوں نے ایسے قوانین نافذ کرنے کی تجویز کر دی جن کے متعلق وہ جانتے تھے کہ وہ ناممکن العمل ہیں یہ اس لئے کیا کہ ہادی نسل اس نتیجے پر پہنچ جائے کہ اسلام ایک چلا ہوا کارٹوس ہے اور اس طرح نہ صرف وہ اسلام سے برگشتہ ہو جائے بلکہ یہ خیال بھی ان کے دل میں اُبھرے کہ پاکستان کے مجدگانہ مملکت رکھنے سے حاصل کیا ہے اور اس کے ساتھ ہی یہ بھی کہ غیر مسلم اقوام کے دل میں جو اسلام کا بھرم چلا آ رہا ہے وہ بھی ختم ہو جائے۔

اسلامی قوانین

فادوق:۔ عموماً وکلاء یہ کہتے ہیں کہ اسلامی نام کی کوئی چیز نہیں اصل میں یہ عرب روایات تھیں جو دو ایک نرا میم کے ساتھ اسلام کے بعد اپنالی گئیں۔

پرویز:۔ جیسا کہ میں نے پہلے کہا ہے اسلامی مملکت اپنے حالات کے مطابق جزئی قوانین خود وضع کر سکتی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اُس زمانے کی اسلامی مملکت نے کچھ ایسے قوانین بھی اپنا لئے ہوں جو عربوں میں پہلے سے رائج تھے اور وہ قرآن کی حدود سے ٹکراتے نہیں تھے۔

فادوق:۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ عرب کی روایات کا اپنا نادرہی نہیں۔

پرویز:۔ عرب کی روایات ہی نہیں کسی زمانے کی روایات بھی ہوں وہ غیر متبدل نہیں ہو سکتیں اس لئے اسلامی مملکت پر یہ لازم نہیں آتا کہ وہ انہیں بالضرور اپنائے۔ ان میں سے جسے وہ اپنے حالات کے مطابق سمجھے اپنائے۔ سوال صرف یہ ہے کہ وہ قرآن کی حدود سے ٹکرائیں نہیں۔ یہ ہے میری بصیرت قرآن کی روش سے اسلامی ریاست کا تصور۔ آپ احتیاجاً کا شکریہ کہ آپ نے گہری توجہ سے میری معلومات کو درخورِ اعتناء سمجھا۔